تخلیق انسانی کے مراحل

قرآن، حدیث اور سائنس کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد معین فاروقی ———— محمد رضی الاسلام ندوی

اللہ تعالیٰ نے کائنات میں بے شمار نشانیاں بکھیر دی ہیں جو ہر صاحب عقل ودانش کو دعوتِ فکر دیتی ہیں یہ تمام نشانیاں زبانِ حال سے کہہ رہی ہیں کہ وہ اتفاقیہ یا عناصر کے باہم فعل وانفعال سے پیدا نہیں ہوگئی ہیں بلکہ ایک حکیم ہستی نے انتہائی دقت اور باریکی، نظم اور ہم آہنگی اور سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق انھیں وجود بخشا ہے۔ آسمان اور زمین کی تخلیق، رات اور دن کی پے درپے آمد ورفت، سمندروں میں جہازوں کا چلنا، آسمان سے بارش کا ہونا، زمین کا لہلہا اٹھنا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا فضا میں مسخر رہنا، یہ اور ان کے علاوہ بے شمار نشانیاں ہیں جو خدائے واحد کا پتہ دیتی ہیں[۱]۔ آفاق کائنات کی ان نشانیوں کے علاوہ اگر انسان غور کرے تو خود اس کی اپنی ذات میں ایسی لاتعداد نشانیاں موجود ہیں۔ رحم مادر میں جنین کی پرورش وافزائش، ولادت، جسم کا نشوونما، شباب، بڑھاپا اور پھر ایک مخصوص مدت تک پہنچنے کے بعد وفات، انسانی زندگی کے یہ تمام مراحل دعوتِ فکر دیتے ہیں یہی نہیں بلکہ خود اس کے جسم کے اندر چھوٹے پیمانے پر جو پوری دنیا آباد ہے اور جس حیرت انگیز طریقے پر اس کے جسم کا مشینی نظام جاری ہے وہ خود اپنے اندر عظیم الشان نشانیاں رکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنی ذات کی وحدانیت کے ثبوت کے لیے دلائلِ آفاق کو پیش کیا ہے وہیں اس نے دلائل انفس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے اور جو لوگ کائنات کو محض اتفاقیہ وجود میں آنے والا سمجھتے ہیں اور آخرت کا انکار کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک دن اتفاقیہ اجرام سماوی وارضی کے ٹکراؤ سے دنیا فنا ہو جائے گی۔ انھیں حکم دیا ہے کہ وہ اپنی ذات میں غور کریں۔ کیا ان کے اندرون میں جو نظم، باریکی اور اعضاء میں ہم آہنگی

ہے وہ اتفاقیہ ہوگئی ہے؟ یا اس کے پیچھے کسی ہستی کا ہاتھ ہے جس نے ایک منصوبے کے مطابق ان کی تخلیق کی ہے؟ آخرت کا انکار کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ	لوگ دنیا کی زندگی کا بس ظاہری پہلو
الدُّنْيَا ۚ وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ	جانتے ہیں اور آخرت سے وہ خود ہی
هُمْ غٰفِلُوْنَ ○ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا	غافل ہیں۔ کیا انھوں نے کبھی اپنے آپ
فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۗ مَا خَلَقَ اللّٰهُ	میں غور و فکر نہیں کیا؟ اللہ نے زمین
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ	اور آسمانوں کو اور ان ساری چیزوں کو جو
اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَاِنَّ	ان کے درمیان ہیں برحق اور ایک مدتِ
كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ	مقرر ہی کے لیے پیدا کیا ہے۔ مگر بہت
لَكٰفِرُوْنَ ○	سے لوگ اپنے رب کی ملاقات کے
(الروم: ۷-۸)	منکر ہیں۔

دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمایا:

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ○	زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں یقین
وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۗ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ○	لانے والوں کے لیے اور خود تمہارے
وَفِي السَّمَآءِ رِزْقُكُمْ وَمَا	اپنے وجود میں ہیں۔ کیا تم کو سوجھتا نہیں؟
تُوْعَدُوْنَ ○ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ	آسمان ہی میں ہے تمہارا رزق بھی اور وہ
وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ	چیز بھی جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا ہے
اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ ○	پس قسم ہے آسمان اور زمین کے مالک
(الذاریات: ۲۰-۲۳)	کی۔ یہ بات حق ہے ایسی ہی یقینی جیسے
	تم بول رہے ہو۔

تخلیق انسانی سے قرآن کریم کا استدلال

اللہ تعالیٰ نے دلائل انفس میں سے خاص طور پر تخلیق انسانی کا تذکرہ قرآن کے مختلف مقامات پر تفصیل سے کیا ہے اور ان کے ذریعے دو چیزوں پر استدلال کیا ہے:

۱۔ ایک تو یہ کہ تخلیق انسانی کا جو نظام کائنات میں جاری وساری ہے اس کی جزئیات

میں تدبر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ خود بخود یا اتفاقیہ انجام پا رہی ہے نہ کئی ہستیاں اس کی ذمہ دار ہیں بلکہ صرف ایک ہی ہستی ہے جو انتہائی باریکی اور حسنِ نظم کے ساتھ انسانوں کی تخلیق کر رہی ہے ۔اس لیے عقل و منطق کا تقاضہ ہے کہ صرف اسی پیدا کرنے والے کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ دوسری ہستیوں کو شریک نہ ٹھہرایا جائے ۔مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں ۔

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۗ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۗ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ۝ (الفرقان: ۵۴-۵۵)	اور وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا۔ پھر اس سے نسب اور سسرال کے دو الگ سلسلے چلائے ۔تیرا رب بڑا ہی قدرت والا ہے ۔اس خدا کو چھوڑ کر لوگ ان کو پوج رہے ہیں جو نہ ان کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور اوپر سے مزید یہ کہ کافر اپنے رب کے مقابلہ میں ہر باغی کا مددگار بنا ہوا ہے ۔

سورہ رُوم میں اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدد نشانیاں بیان کی ہیں ۔ان میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے :

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا (الروم-۲۱)	اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس سے بیویاں بنائیں ۔

۲۔ دوسری چیز یہ کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اس دنیا میں پیدا کیا ہے اسی طرح مرنے کے بعد پھر ایک دن زندہ کرے گا اور ان سے دنیا میں کیے گئے اعمال کا حساب وکتاب لے گا ۔اور ایسا عقلی لحاظ سے بھی بعید نہیں ہے اس لیے کہ جو ہستی کسی چیز کو عدم سے وجود میں لا سکتی ہے وہ اس سے زیادہ آسانی سے اس کو دوبارہ پیدا کر سکتی ہے ۔ آخرت کے اس تصور پر قرآن نے تخلیق انسانی کے عمل سے دلیل پیش کی ہے :

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ۝ أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ	کیا انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ ایک حقیر

مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً	پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا
فَخَلَقَ فَسَوّٰى ○ فَجَعَلَ مِنْهُ	جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا۔ پھر اللہ
الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ○	نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضاء
اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ	درست کیے پھر اس سے مرد اور عورت
يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ○	کی دو قسمیں بنائیں۔ کیا وہ اس پر قادر
(القیامۃ: ۳۶-۴۰)	نہیں ہے کہ مرنے والوں کو پھر سے زندہ کردے۔

بعض آیتوں میں تخلیق انسانی کا تذکرہ کر کے توحید باری تعالیٰ اور آخرت دونوں پر ایک ساتھ استدلال کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ	ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا
سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ	پھر اسے ایک محفوظ جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں
نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ○	تبدیل کیا ...... پس بڑا ہی بابرکت ہے
فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ○	اللہ، سب کاریگروں سے اچھا کاریگر۔ پھر
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ○ ثُمَّ	اس کے بعد تم کو ضرور مرنا ہے۔ پھر قیامت
اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ○ (المومنون ۱۲-۱۵)	کے روز یقیناً تم اٹھائے جاؤ گے۔

تخلیق انسانی کے بارے میں قرآن کریم کا سائنسی اعجاز

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم ایک کتاب ہدایت ہے۔ اس نے لوگوں کو ہدایت الٰہی سے ہم آغوش کرنے کے لیے ان کے سامنے آفاق وانفس کے یہ دلائل پیش کیے ہیں۔ اس لیے اس نے ان حقیقتوں کی طرف محض اشارات کیے ہیں اور صرف اتنی ہی چیزیں بیان کی ہیں جن سے دعوی پر استدلال کیا جا سکے۔ لیکن قرآن کا یہ سائنسی اعجاز ہے کہ اس نے آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جن حقیقتوں کی طرف اشارہ کیا تھا ان میں اور آج کی سائنسی تحقیقات واکتشافات میں سرمو فرق نہیں ہے۔ بہت سی معلومات ایسی ہیں جنھیں خوردبین کی ایجاد سے پہلے کوئی جانتا بھی نہ تھا اور جو صرف انیسویں اور بیسویں صدی کی سائنسی ترقی کی دین ہیں۔ لیکن قرآن نے عرصۂ دراز قبل ان کا انکشاف کر دیا تھا[۱۴]۔ یہ قرآن کی حقانیت اور اس کے کتاب الٰہی ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے جس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن نے بھی اسے اپنے دعوی پر دلیل بنایا ہے:

قُلْ أَرَءَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ٥ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ (حم السجدۃ: ۵۲-۵۳)	اے نبی ان سے کہو کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر واقعی یہ قرآن خدا ہی کی طرف سے ہوا اور تم اس کا انکار کرتے رہے تو اس شخص سے بڑھ کر بھٹکا ہوا اور کون ہوگا جو اس کی مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو؟ عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس میں بھی یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ یہ قرآن واقعی برحق ہے۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ کا تذکرہ مفید رہے گا۔ ڈاکٹر عبدالمجید الزندانی (جو شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی جدہ میں استاد اور رابطۂ عالم اسلامی کے تحت قائم کمیٹی برائے سائنسی اعجاز در قرآن وسنت کے ڈائرکٹر ہیں) نے جنین سے متعلق قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں تقریباً اسی سوالات مرتب کیے اور دیرینہ تعلقات کی بنیاد پر بے تکلف ڈاکٹر کیتھ ایل مور (جو میڈیکل کالج ٹورنٹو یونیورسٹی میں اناٹومی کے پروفیسر اور جنینیات پر ایک شہرۂ آفاق کتاب کے مصنف ہیں) کی خدمت میں اس درخواست کے ساتھ پیش کیے کہ وہ اپنی جدید تحقیقات کی روشنی میں ان کے جوابات عنایت فرمائیں۔ ان کے جوابات دینے کے بعد جب ڈاکٹر مور کو یہ بات بتلائی گئی کہ جو جوابات ڈاکٹر موصوف نے دیئے ہیں ان سے مطابقت رکھتی ہوئی بہت سی معلومات قرآن کریم پہلے ہی فراہم کر چکا ہے تو انھیں شدید حیرت ہوئی۔ اپنی لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا کہ "اگر یہی سوالات تیس برس پہلے مجھ سے کیے جاتے تو شاید ان میں سے پچاس فیصد سوالات کا میں جواب نہ دے پاتا۔"[۲]

پیش نظر مقالہ میں قرآن کے بیان کردہ تخلیقی مراحل کا تذکرہ کیا جائے گا اور جدید سائنسی معلومات کی روشنی میں قرآن کا اعجاز آشکارا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

تخلیق کے مراحل

قرآن نے بتلایا ہے کہ انسان کی تخلیق مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہوتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے اللہ تعالیٰ کے احسانات گناتے ہوئے فرمایا:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ٥ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا ٥ (نوح: ۱۳-۱۴)	تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ اللہ کے لیے تم کسی وقار کی توقع نہیں رکھتے حالانکہ اس نے تمہیں کئی مراحل میں پیدا کیا ہے۔

چنانچہ تخلیق انسانی سے اپنے مدعا پر استدلال کرتے ہوئے قرآن کبھی ان میں سے کسی ایک مرحلے کا تذکرہ کردیتا ہے اور کبھی ترتیب وار تمام مراحل بیان کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض آیتوں میں صرف پہلے مرحلے کا تذکرہ کیا ہے:

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ○ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ○ (عبس: ۱۹-۲۰)	نطفہ کی ایک بوند سے اللہ نے اسے پیدا کیا پھر اس کی تقدیر مقرر کی پھر اس کے لیے زندگی کی راہ آسان کی۔
قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ○ (کہف: ۳۷)	اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کھڑا کیا
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ○ (النحل: ۴)	اس نے انسان کو ایک ذرا سی بوند سے پیدا کیا اور دیکھتے دیکھتے صریحاً وہ ایک جھگڑالو ہستی بن گیا۔

بعض آیتوں میں صرف دوسرا مرحلہ بیان کیا ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ (علق: ۱،۲)	پڑھو اے نبی اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ علق سے انسان کی تخلیق کی۔

بعض آیتوں میں پہلے اور دوسرے دو مرحلوں کا تذکرہ ہے:

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ○ (القیٰمۃ: ۳۷-۳۸)	کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا ہے؟ پھر وہ ایک لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اس کا جسم بنایا اور اس کے اعضا درست کیے۔
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا (المومن: ۶۷)	وہی تو ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر علقہ سے پھر وہ تمہیں بچے کی شکل میں نکالتا ہے۔

اور بعض آیتوں میں تخلیق کے تمام مراحل ترتیب وار بیان کیے گئے ہیں :

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ	ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا
طِيْنٍ ۞ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۞	پھر اسے ایک مضبوط جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں
ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ	تبدیل کیا۔ پھر اس بوند کو لوتھڑے کی شکل
مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا	دی۔ پھر لوتھڑے کو مضغہ بنا دیا پھر مضغہ کی
فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا (المومنون ۱۲-۱۴)	ہڈیاں بنائیں پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ	لوگو اگر تمہیں زندگی بعد موت کے بارے
الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ	میں کچھ شک ہے تو تمہیں معلوم ہو کہ ہم نے
ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ	تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے پھر نطفے سے پھر
مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ	علقہ سے پھر مضغہ سے جو مکمل بھی ہوتا
(الحج : ۵)	ہے اور نامکمل بھی ۔

مذکورہ بالا آیات سے تخلیق کے درج ذیل مراحل معلوم ہوتے ہیں :

۱۔ نطفہ ۔ ۲۔ علقہ ۔ ۳۔ مضغہ ۔ ۴۔ عظام ۔ ۵۔ لحم

ذیل میں ہر ایک کا قرآن، حدیث، کلام عرب اور جدید سائنس کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے گا.

۱۔ نطفہ

قرآن کریم میں لفظ 'نطفہ' کا استعمال بارہ[۱۲] مرتبہ ہوا ہے[۵۵]۔ بعض آیات میں اس کے ساتھ کچھ قیود بھی ہیں جیسے : مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى النجم ۴۶ (ایک بوند سے جب وہ ٹپکائی جاتی ہے) نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى القیامہ: ۳۷ (ایک حقیر پانی کا نطفہ جو رحم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے) مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ الدہر: ۲ (ایک مخلوط نطفے سے) اسی مفہوم میں لفظ 'ماء' کا بھی استعمال ہوا ہے : وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا۔ الفرقان: ۵۴ (وہی ہے جس نے پانی سے ایک بشر پیدا کیا) اور اس کے ساتھ بھی کچھ قیود مذکور ہیں: ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۔السجدہ : ۸ (پھر اس کی نسل ایک ایسے ست سے چلائی جو حقیر پانی کی طرح کا ہے) اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ المرسلات : ۲۰ (کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں نہیں پیدا کیا) خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ الطارق: ۶ (ایک اچھلنے والے پانی سے پیدا کیا گیا ہے)

عربی زبان میں لفظ 'نطفہ' متعدد معانی کے لیے آتا ہے مثال کے طور پر پانی کی تھوڑی مقدار پر نطفہ کا اطلاق ہوتا ہے اسی لیے ڈول سے پانی استعمال کر لینے کے بعد اس میں جو تھوڑا سا پانی بچ جاتا ہے اسے نطفہ کہتے ہیں[۲۷] صاف و شفاف پانی کو بھی نطفہ کہا جاتا ہے خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ۔ البتہ کم مقدار پانی کے لیے اس کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لیے منی کو بھی قلیل مقدار میں ہونے کی وجہ سے نطفہ کہتے ہیں[۲۸]

حدیث میں بھی 'نطفہ' کا استعمال مذکورہ معانی کے لیے ہوا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے دریافت کیا: کیا تمہارے پاس وضو کے لیے پانی ہے؟ فجاء رجل باداوۃ فیھا نطفۃ (تو ایک شخص ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لے کر آیا) .... الخ[۲۹] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت حمران بن ابان فرماتے ہیں:

کنت أضع لعثمان طھورہ فما أتیٰ علیہ یوم الا وھو یفیض علیہ نطفۃ[۳۰]	میں حضرت عثمان کے لیے روزانہ وضو کا پانی رکھتا تھا اور وہ اس میں سے تھوڑا سا پانی استعمال کرتے تھے۔

'نطفہ' کا استعمال حدیث میں تھوک کی انتہائی قلیل مقدار کے لیے بھی ہوا ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ حضورؐ کے مرض الوفات کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

بینما رأسہ ذات یوم علی منکبی إذ مال رأسہ نحو رأسی فظننت أنہ یرید من رأسی حاجۃ فخرجت من فیہ نطفۃٌ باردۃ فوقعت علی ثغرۃ نحری فاقشعرّ لھا جلدی فظننت أنہ غشی علیہ[۳۱]	ایک دن آپؐ کا سر میرے مونڈھے پر تھا۔ آپؐ نے اسے میرے سر کی طرف جھکایا میں سمجھی کہ آپؐ میرے سر کا سہارا چاہتے ہیں۔ اسی وقت آپ کے دہن مبارک سے ٹھنڈے تھوک کا قطرہ نکلا جو میرے حلقوم پر گرا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں سمجھ گئی کہ آپ پر غشی طاری ہو گئی ہے۔

اس کے علاوہ متعدد احادیث میں 'نطفہ' منی کے معنی میں بھی مذکور ہوا ہے۔ البتہ قرآن کریم میں اس کا استعمال صرف نطفۂ انسانی کے لیے ہوا ہے۔ اس سلسلہ

میں بیشتر مفسرین اور ماہرین لغت کا خیال ہے کہ وہ صرف 'ماءالرجل' کے معنی میں آتا ہے لسان العرب میں ہے :

النطفة ماء الرجل[۱۱] (نطفہ ماءالرجل کو کہتے ہیں)

راغب اصفہانی نے لکھا ہے :

النطفة الماء الصافی ویعبربها	نطفہ آب صافی کو کہتے ہیں۔ اس سے
عن ماء الرجل، قال: ثم جعلناه	ماءالرجل مراد لیا جاتا ہے۔ قرآن میں ہے
نطفة فی قرار مکین، وقال: من نطفة	ثم جعلناه نطفة فی قرار مکین،
امشاج۔ الم یك نطفة من منی	من نطفة امشاج اور الم یك نطفة من
یمنی"[۱۲]	منی یمنی

بعض جدید علوم کے ماہرین نے بھی یہی ذکر کیا ہے اسٹائن گاس F. STEINGASS کی عربی انگریزی ڈکشنری میں ہے۔ DROP OF SPERM : نطفة

مورس بوکائی نے آیت :" ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِی قَرَارٍ مَکِینٍ" (الحج-۱۳) کا ترجمہ یہ کیا ہے :

"Then we Placed (man) as a small quantity

(of Sperm) in a safe lodging firmly established."[13]

لیکن صحیح بات یہ ہے کہ نطفہ کا اطلاق ماءالرجل کے ساتھ ساتھ ماءالمرأة پر بھی ہوتا ہے[۱۴]۔ حدیث میں ہے کہ حضرت قاسم بن عبدالرحمٰن اپنے والد سے اور وہ حضرت عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا۔ اس وقت آپؐ صحابہ سے محو گفتگو تھے۔ قریش نے آنحضرتؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہودی سے کہا : یہ نبی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں" یہودی نے کہا : میں ان سے ایک ایسا سوال کروں گا جس کا جواب صرف نبی ہی دے سکتا ہے۔ پھر وہ آپؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا : اے محمدؐ انسان کس سے پیدا ہوتا ہے ؟ آپؐ نے ارشاد فرمایا : یایہودی من کُلٍّ یُخْلَق، من نطفة الرجل ومن نطفة المرأة"[۱۵] (اے یہودی انسان مرد و عورت دونوں کے نطفے سے ملکر پیدا ہوتا ہے)

ایک دوسری روایت حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے : فرماتی ہیں کہ ام سلیمؓ نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول اگر عورت کو احتلام ہو تو کیا اس پر غسل واجب ہے؟ فرمایا: ہاں اگر وہ (اپنے کپڑوں میں) تری پائے۔ ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: کیا ایسا ہوتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: تمہارے ہاتھ غبار آلود ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو بچہ کی شباہت کیونکر ہوتی ہے؟ پھر ارشاد فرمایا:

"ای النطفتین سبقت الی الرحم غلبت علی الشبہ"[16]	(جس کا بھی نطفہ رحم کی طرف پہنچنے میں سبقت کرتا ہے اُسی سے بچہ مشابہ ہوتا ہے۔)

اگرچہ قرآن کریم کے بعض مواقع پر نطفہ کا استعمال 'مار الرجل' کے لیے ہوا ہے۔ اس لیے کہ تخلیق انسانی کا وہی اصل ذمہ دار ہوتا ہے[17] لیکن دوسرے متعدد استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ کا اطلاق مار الرجل اور ماء المرأۃ دونوں کے مخلوطہ پر بھی ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر چند آیات ملاحظہ ہوں، سورۂ دھر آیت ۲ میں ہے:

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ	ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔

لفظ امشاج واحد ہے یا جمع، اس کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے[18] لیکن سب کے نزدیک اس سے مراد مار الرجل اور ماء المرأۃ کا مخلوطہ ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے 'نطفہ امشاج' کی تشریح یہ کی ہے:۔

"ماء الرجل وماء المرأۃ اذا اجتمعا واختلطا"[19]	یعنی مار الرجل اور ماء المرأۃ جب دونوں یکجا ہو جائیں اور ان کا مخلوطہ تیار ہو جائے۔

یہی قول عکرمہ، مجاہد، حسن اور ربیع بن انس کا بھی ہے یعنی:

الامشاج ھو اختلاط ماء الرجل بماء المرأۃ[20]	امشاج سے مراد مار الرجل اور ماء المرأۃ کا اختلاط ہے۔

ابن قتیبہ نے لکھا ہے:

امشاج اخلاط..... یرید اختلاط ماء الرجل بماء المرأۃ۔[21]	امشاج اخلاط کے وزن پر ہے اس سے مراد مار الرجل اور مار المرأۃ کا اختلاط و امتزاج ہے۔

ابن قتیبہ نے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ یہ قول رازی، قرطبی اور طبری نے اپنی تفسیروں میں ذکر کیا ہے اور البحر المحیط اور الاحکام للشافعی میں بھی مذکور ہے[22]

کشاف میں اس کی تشریح یہ کی گئی ہے:

من نطفة امتزج فيها ماءان[۲۳]	یعنی ایسے نطفہ سے جس میں (مرد و عورت) دونوں کے 'ماء' کا امتزاج ہو

قرآن نے آج سے چودہ سو سال قبل یہ انکشاف کیا تھا کہ انسان کی تخلیق مرد اور عورت دونوں کے نطفہ سے ملکر ہوتی ہے۔ جبکہ ماضی قریب تک سائنس داں یہی سمجھتے رہے تھے کہ تخلیق انسانی کا ذمہ دار کوئی ایک نطفہ ہی ہوتا ہے[۲۴] قرآن کے اعجاز کی یہ ایک بہت بڑی دلیل ہے۔

قرآن کے کچھ اور بیانات بھی ہیں جن کا اگر جدید سائنس کی روشنی میں مطالعہ کیا جائے تو ان سے نئے انکشافات ہوتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ (المومنون: ۱۲-۱۳)	ہم نے انسان کو مٹی کے ست سے بنایا پھر اسے ایک مضبوط جگہ ٹپکی ہوئی بوند میں تبدیل کیا۔
أَلَمْ نَخْلُقْكُمْ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ ۝ فَجَعَلْنَاهُ فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ۝ (المرسلات: ۲۰-۲۱)	کیا ہم نے ایک حقیر پانی سے تمہیں پیدا نہیں کیا اور ایک مقررہ مدت تک اسے ایک محفوظ جگہ ٹھیرائے رکھا۔

عام طور پر مفسرین نے ان آیتوں میں 'نطفة' اور 'ماء مهين' سے مراد 'مرد کا نطفہ' لیا ہے۔ لیکن اس صورت میں جدید سائنس آیت کے مفہوم کی تائید نہیں کرتی۔ اس لیے کہ آیت میں 'قرار مکین' سے مراد رحم ہے اور رحم میں صرف مرد کا نطفہ نہیں ٹھہرتا بلکہ نطفہ (منی) (ماء الرجل) اور بیضہ (ماء المراۃ) دونوں پہلے قاذف (FALLOPIAN TUBE) میں پہنچتے ہیں جہاں دونوں کا اتصال و امتزاج ہوتا ہے۔ پھر ان سے جو مخلوط تیار ہوتا ہے وہ رحم میں آکر ٹھہرتا ہے اور اس سے جنین کی تشکیل ہوتی ہے: ۔ دیکھئے خاکہ ۱

خاکہ ۱

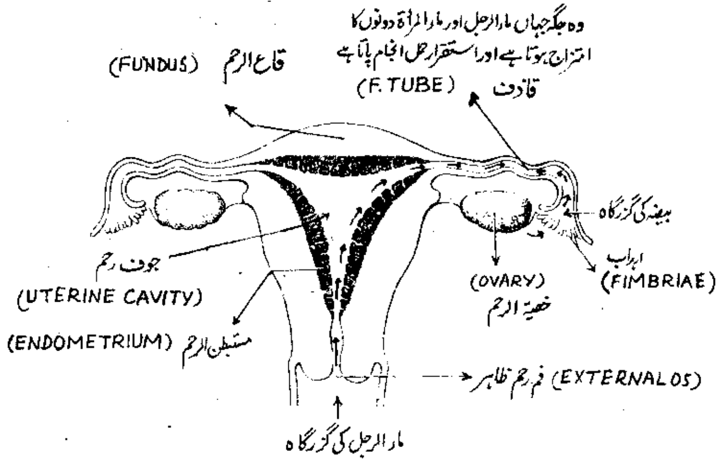

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ خصیۃ الرحم (OVARY) سے اخراج بیضہ (OVULATION) کے ۱۲-۲۴ گھنٹے کے اندر اندر قاذف (FALLOPIAN TUBE) کے باہری تہائی حصہ میں بیضہ کا استقرار (FERTILIZATION) ہوتا ہے اور خلیۂ موحدہ (ZYGOTE) وجود میں آتا ہے پھر اس کی تقسیم سے دو، دو سے چار، چار سے آٹھ کے حساب سے خلیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک ٹھوس شکل بنتی ہے جسے شہتوتیہ (MORULA) کہتے ہیں۔ پھر اس میں ایک جوف بنتا ہے جس کے چاروں طرف خلیے پھیل جاتے ہیں جسے کیس الجرثومہ (BLASTOCYST) کہتے ہیں اس میں ایک طرف خلیوں کا گچھا ہوتا ہے جسے INNER CELL MASS کہتے ہیں اسی سے جنین کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہی کیس الجرثومہ رحم میں داخل ہونے کے بعد عام طور سے استقرار کے چھٹے دن مستبطن الرحم (ENDOMETRIUM) کے سامنے کی یا پچھلی دیوار میں چپک جاتا ہے۔[۲۵]

خاکہ ۲

چھٹے دن استقراری بیضہ مستبطن الرحم (ENDOMETRIUM) سے چپکا ہوا دیکھا جاسکتا ہے

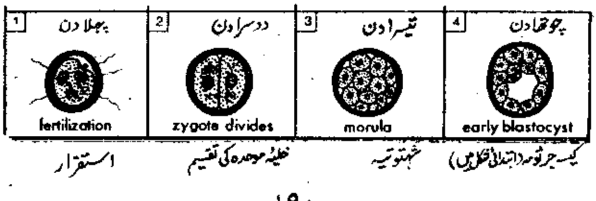

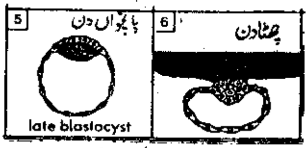

مستبطن بارحم سے متصل استقراری بیضہ　　کیسہ جرثومہ (آخری شکل میں)

معلوم ہوا کہ ان آیات میں نطفہ اور ماء مہین سے مراد صرف ماء الرجل نہیں بلکہ وہ مخلوط ہے جو ماء الرجل اور ماء المرأۃ کے امتزاج و اختلاط سے تیار ہوتا ہے۔

ایک دوسری آیت ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ	پھر انسان یہی دیکھ لے کہ وہ کس چیز سے
مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ	پیدا کیا گیا ہے ایک اچھلنے والے پانی سے
الصُّلْبِ وَالتَّرَآئِبِ ۝	پیدا کیا گیا ہے جو پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے
(الطارق: ۵-۷)	درمیان سے نکلتا ہے۔

"یخرج من بین الصلب والترائب" کا مفہوم کیا ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ہم کوئی طے شدہ بات نہیں کہہ سکتے۔ ہمارا خیال ہے کہ سائنس ابھی اتنی ترقی نہیں کر سکی ہے کہ متعین طور پر اس آیت کا مطلب بتا سکے۔ سائنس کے میدان میں مزید اکتشافات و تحقیقات ہوں تو اس آیت کا اعجاز واضح ہو سکے گا۔ البتہ 'ماء دافق' سے مفسرین نے عام طور سے 'نطفۂ رجل' مراد لیا ہے[۲۶] اس لیے کہ بظاہر اسی میں 'دفق' (اچھلنے) کی صفت پائی جاتی ہے۔ لیکن طبی سائنس نے آج یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ 'دفق' کی صفت بیضہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ خصیۃ الرحم (OVARY) میں تقریباً پانچ لاکھ غیر پختہ بیضے ہوتے ہیں۔ مگر اس میں سے صرف چار سو پوری عمر میں پختہ ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں ہر ماہ حویصلہ (GRAAFIAN FOLLICLE) سے ایک بیضہ کا اخراج ہوتا ہے۔ اخراج بیضہ (OVULATION) کا عمل یوں انجام پاتا ہے کہ غدۂ نخامیہ (PITUITARY GLAND) سے ایک ہارمون کا اخراج ہوتا ہے جسے 'ہارمون محرک حویصلہ' (FOLLICLE STIMULATING HORMONE) کہتے ہیں۔ اس سے حویصلہ کی نشوونما ہوتی ہے۔ ہارمون کے اثر سے بیضہ بھی بڑھنا شروع ہوتا ہے اور رطوبت حویصلہ (LIQUORFOLLICULI) میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک مرحلہ پر حویصلہ پھٹ جاتا ہے اور اس سے بیضہ باہر آجاتا ہے۔ رطوبت کے دباؤ کی وجہ سے

طاقت کے ساتھ بیضہ باہر نکلتا ہے اور اس سے 'دفق' کی صفت پیدا ہو جاتی ہے۔ (دیکھئے خاکہ نمبر ۳)

خاکہ ۳

(الف)

حویصلہ میں بیضہ موجود ہے

(الف)

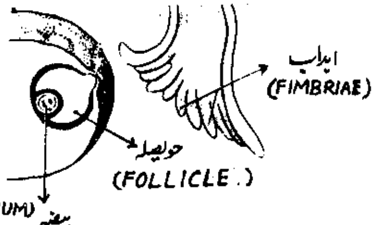

(ب)

حویصلہ کے پھٹنے سے رطوبت کا اخراج ہو رہا ہے۔

(ب)

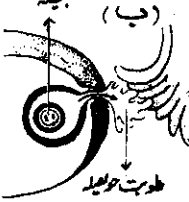

(ج)

رطوبت کے ساتھ بیضہ کا بھی اخراج ہو رہا ہے۔

(ج)

(د)

رطوبت کے ساتھ بیضہ بھی نکل گیا ہے بیضہ کے نکلنے کے بعد حویصلہ کو جسم اصفر (CORPUS LUTEUM) کہتے ہیں۔

(د)

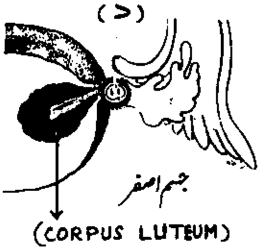

ڈاکٹر الزندانی نے 'نطفہ' کی جو تعریف کی ہے اس سے بھی ہماری تائید ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں:

" ITS REAL MEANING CAN ONLY BE DEDUCED FROM THE TEXT OF QURAN , EVIDENTLY IT IS A COMPREHENSIVE TERM

AND INCLUDES MALE & FEMALE GAMETES AND PART OF THEIR NATURAL ENVIRONMENTS OF FLUID . IT ALSO INCLUDES ZYGOTE , MORULA AND BLASTOCYST TILL IMPLANTATION IN THE UTERUS"[27]

(نطفہ کے حقیقی معنی قرآن سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ بدیہی طور پر یہ ایک وسیع اصطلاح ہے جس کا اطلاق نر اور مادہ کے متحد خلیہ اور ان سے متعلق طبعی رطوبت پر بھی ہوتا ہے۔ اور اس میں استقرار رحم سے پہلے تک خلیۂ موحدہ (ZYGOTE) شہتوتیہ (MORULA) اور کیس الجرثومہ (BLASTOCYST) کے مراحل بھی داخل ہیں)

۲۔ علقہ

تخلیق انسانی کا دوسرا مرحلہ 'علقہ' ہے۔ قرآن میں یہ لفظ پانچ مرتبہ آیا ہے[۲۸]۔ عربی زبان میں اس کے مختلف معانی بتلائے گئے ہیں :

(۱) ہر وہ چیز جو لٹکی ہوئی ہو اسے علق کہتے ہیں۔

(۲) پہاڑ، زمین یا کسی چیز میں اٹکا ہونا علق کہلاتا ہے۔

(۳) جمے ہوئے اور گاڑھے خون (جس میں گہری سرخی ہو اور جو سوکھا نہ ہو) کو علقہ کہتے ہیں لسان العرب میں ہے : کل دم غلیظ علق[۲۹]۔ (گاڑھے خون کو علقہ کہتے ہیں)

اسی معنی میں یہ لفظ حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ سریہ بن سلیم کی روایت میں ہے "فاذا الطیر ترمیھم بالعلق"[۳۰] (یعنی پرندے خون کے جمے ہوئے ٹکڑے پھینکنے لگے)

ابن ابی اوفیٰ کی حدیث میں ہے : انہ بزق علقۃ ثم مضی فی صلاتہ[۳۱] (یعنی جما ہوا خون تھوکا اور نماز پڑھتے رہے)

آنحضرتؐ کے ساتھ بچپن میں شق صدر کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس کے ذیل میں ہے۔

فشق عن قلبہ فاستخرج القلب (فرشتے نے سینہ چاک کر کے دل نکالا

فاستخرج منہ علقۃ"[۳۲] اور اس میں سے علقہ (کوئی جمی ہوئی چیز) نکالا

بعض روایتوں میں "اخرج شیئا کھیئۃ العلقۃ" (علقہ جیسی کوئی چیز نکالی) اور بعض میں "فاخرجا منہ علقتین سوداوین" (دونوں فرشتوں نے اس میں سے دو سیاہ علقے نکالے) کے الفاظ مذکور ہیں[۳۳]

(۴) عربی میں جونک کو بھی علقہ کہتے ہیں۔ لسان العرب میں ہے:

• ومنہ قیل لھذا الدابۃ التی تکون فی الماء علقۃ لانھا حمراء کالدم"[۳۴]	اسی وجہ سے اس آبی حیوان (یعنی جونک) کو علقہ کہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ خون کی طرح سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔
العلقۃ دودۃ فی الماء تمص الدم، والجمع علق[۳۵]	(علقہ اس آبی کیڑے کو کہتے ہیں جو خون چوستا ہے (یعنی جونک) اس کی جمع علق ہے[۳۵])

قدیم مفسرین اور ماہرین لغت نے عام طور پر تخلیق انسانی کے مرحلہ علقۃ کو تیسرے معنی (یعنی جمے ہوئے خون) میں لیا ہے۔ راغب اصفہانی نے لکھا ہے:

"العلق الدم الجامد، ومنہ العلقۃ التی یتکون منھا الولد، قال: خلق الانسان من علق وقال: ولقد خلقنا الانسان......الی قولہ: فخلقنا العلقۃ مضغۃ[۳۶]	علق جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں۔ اسی سے علقہ کہا گیا ہے جس سے جنین کی تشکیل ہوتی ہے ارشاد باری ہے خلق الانسان من علق اور فخلقنا العلقۃ مضغۃ

ابو حیان اندلسی نے لکھا ہے: علقۃ: دم جامد[۳۷] (علقہ جمے ہوئے خون کو کہتے ہیں)
امام ابو بکر سجستانی نے بھی یہی تشریح کی ہے[۳۸]
لیکن جدید سائنس مفسرین کے اس قول کی بالکل تائید نہیں کرتی۔ اس لیے کہ "انسان کبھی اس مرحلہ سے نہیں گزرتا جسے جمے ہوئے خون سے تعبیر کیا جا سکے"[۳۹]
ڈاکٹر الزندانی نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ اس کی ظاہری ہیئت کے اعتبار سے مفسرین نے اس سے مراد جما ہوا خون لیا ہے:

"THE CONCEPT OF THIS TERM MEANING BLOOD CLOT WAS USED BY ANCIENT SCHOLARS WHO DEPENDED ON THE OUT SIDE APPEARANCE OF THE ABORTED CONCEPTUS"[40]

(قدیم علماء نے اس اصطلاح کو جمے ہوئے خون کے معنی میں لیا ہے۔ یہ مفہوم اسقاط شدہ جنین کی ظاہری ہیئت پر منحصر ہے۔)

ڈاکٹر زندانی نے علقہ سے مراد جونک لیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ جنین ایک مرحلہ میں جونک کی شکل و ہیئت اختیار کر لیتا ہے اس لیے اس کی مشابہت میں علقہ کا لفظ استعمال کیا گیا۔ (دیکھئے خاکہ نمبر ۴)

خاکہ ۴

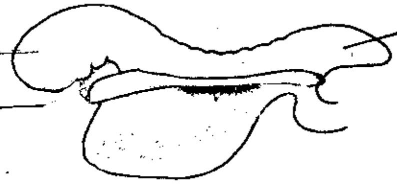

جنین کا جانبی منظر (LATERAL VIEW) اس مرحلہ میں جب وہ بقول مور اور زندانی دیکھنے میں جونک کی مانند معلوم ہو رہا ہے۔

"THIS TERM IN QURAN REFERS TO THE PRESOMITE EMBRYO WHICH LOOKS LIKE A LEECH"[41]

(قرآن کی یہ اصطلاح جنین کی اس حالت کی طرف اشارہ کرتی ہے جس میں وہ جونک کی مانند معلوم ہوتا ہے۔)

ہم اس رائے سے متفق نہیں ہیں، اس لیے کہ جس زمانہ کو انھوں نے علقہ کا زمانہ قرار دیا ہے اور اس میں جونک سے مشابہت تلاش کی ہے ہمارے نزدیک وہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم آگے واضح کریں گے۔ ہمارے نزدیک تیسرا مفہوم ہی زیادہ صحیح ہے البتہ اس میں 'خون' کی قید ضروری نہیں۔ کسی بھی جمی ہوئی چیز پر علقہ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ موریس بوکائے کا بھی یہی خیال ہے۔ لکھتے ہیں۔

"کوئی جمی ہوئی چیز، یہ وہ اصلی مفہوم ہے جو آج کل کی مصدقہ دریافت سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔"[۴۲]

۳۔ مضغہ

تخلیق کے تیسرے مرحلے کو قرآن 'مضغہ' سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ لفظ قرآن میں تین مرتبہ وارد ہوا ہے[۴۳]۔ عربی زبان میں مضغہ کا اطلاق گوشت کے اتنے چھوٹے سے ٹکڑے پر

ہوتا ہے جسے منہ میں رکھ کر چبایا جا سکے۔ لسان العرب میں ہے :

"المضغۃ، القطعۃ من اللحم لمکان المضغ ایضا، قال خالد بن جنبۃ: المضغۃ من اللحم قدر مایلقی الانسان فی فیہ"[۵۳]

مضغہ گوشت کے ٹکڑے کو کہتے ہیں چبائے جانے کی وجہ سے، خالد بن جنبہ کہتے ہیں : مضغہ گوشت کے اتنے بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں جسے انسان منہ میں رکھ کر چبا سکے۔

"مقدم شہ حدیث میں 'قلب' کے لیے مضغہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے :

اَلَاوان فی الجسد مضغۃً اذا صلُحت صلُح الجسدُ کلہ، واذا فسدَتْ فسدَ الجسدُ کلہ اَلَا وھی القلب"[۵۴]

خبردار، جسم میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست رہے تو پورا جسم درست رہے اور اگر اس میں خرابی آجائے تو پورے جسم میں فساد لاحق ہو جائے۔ خبردار وہ دل ہے۔

راغب اصفہانی نے لکھا ہے :

"المضغۃ القطعۃ من اللحم قدر ما یمضغ ولم ینضج، قال الشاعر ؎ یلجلج مضغۃ فیھا أُنیض ای غیر منضج، وجعل اسما للحالۃ التی ینتھی الیھا الجنین بعد العلقۃ، قال تعالیٰ۔ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما"[۵۵]

مضغہ گوشت کے اتنے بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں جسے چبایا جا سکے...... اسے اس ہیئت کا نام دیا گیا ہے جس میں جنین علقہ کے بعد پہنچتا ہے۔ ارشاد باری ہے : فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما۔

ابو حیان اندلسی نے لکھا ہے :

مضغۃ، لحمۃ صغیرۃ سمیت بذالك لانھا بقدر مایمضغ[۵۶]

مضغہ سے مراد گوشت کا چھوٹا ٹکڑا ہے۔ اسے مضغہ اس لیے کہا گیا۔ کیونکہ وہ جسامت میں اتنا چھوٹا ہوتا ہے کہ اسے چبایا جا سکے۔

یہی تشریح ابوبکر سجستانی نے بھی کی ہے[۵۱]

ڈاکٹر زندانی وغیرہ نے مضغہ سے مراد جنین کا وہ زمانہ لیا ہے جب وہ چبائی ہوئی چیز کی مانند معلوم ہوتا ہے۔ (دیکھئے خاکہ نمبر ۵)

خاکہ ۵

جنین کا وہ مرحلہ جب اس کی شکل چبائے ہوئے گوشت کے ٹکڑے کی مانند ہوتی ہے اور جسے مور اور زندانی نے مضغہ قرار دیا ہے۔

قرآن کریم نے مضغہ کے دو مراحل بیان کیے ہیں:

ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ (الحج: ۵)	پھر مضغہ سے جو مکمل بھی ہوتا ہے اور نامکمل بھی۔

رازی نے اس کی تشریح یہ کی ہے:

أن يكون المراد من تمت فيه أحوال الخلق ومن لم تتم. كأنه سبحانه قسم المضغة الى قسمين احدهما تامة الصور والحواس والتخاطيط، وثانيها الناقصة فى هذه الامور فبين ان بعد ان صيره مضغة منها ما خلقه انسانا تاما بلا نقص ومنها ما ليس كذلك، وهذا	مُخَلَّقَہ سے مراد وہ مضغہ ہے جس میں تخلیقی امور انجام پا گئے ہوں اور غیر مخلقہ سے مراد وہ مضغہ ہے جو ناقص الخلقہ ہو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے مضغہ کی دو قسمیں کی ہیں۔ ایک وہ جس کے نقوش، حواس اور خد و خال مکمل ہو گئے ہوں اور دوسری قسم وہ جو ناقص ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ مضغہ بنانے کے بعد بعض کو بغیر کسی نقص کے مکمل انسان بنا دیا جاتا ہے

قول قتادة وضحاك"۴۹	اور بعض کو ناقص چھوڑ دیا جاتا ہے قتادہ اور ضحاک نے یہی تفسیر کی ہے۔

تدریجی ترتیب کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے غیر مخلقہ کہا جاتا پھر مخلقہ۔ لیکن بیانی ترتیب الٹ دی گئی۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ دستورِ تخلیق یہ ہے کہ عموماً مضغہ مخلّقہ ہوتا ہے۔ شاذ ونادر ہی مضغہ کی تخلیق نامکمل رہ جاتی ہے اس لیے پہلے اس چیز کا بیان کیا گیا جو سنت الٰہی ہے۔ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

"بیانی ترتیب الٹ کر پہلے مخلقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ غیر مخلقہ میں ذی روح بننے کی صلاحیت معدوم ہوتی ہے۔"۵۰

تخلیقی مراحل کی مدت

نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل کی تکمیل میں کتنے دن لگتے ہیں؟ قرآن سے اس کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ البتہ بعض احادیث میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ یوں تو اس سلسلہ میں الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ متعدد احادیث مروی ہیں لیکن بنیادی طور پر دو حدیثیں قابل ذکر ہیں:

عن زيد بن وهب عن عبد الله (بن مسعود) قال حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو الصادق المصدوق إن احدكم يجمع خلقه في بطن امه اربعين يوما، ثم يكون في ذالك علقة مثل ذالك ثم يكون في ذالك مضغة مثل ذالك ثم يرسل الله الملك فينفخ فيه الروح ويومر بأربع كلمات، يكتب رزقه واجله وعمله وشقي او سعيد..... الخ	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم میں سے ہر شخص کی تخلیق کو رحم مادر میں چالیس دن جمع کیا جاتا ہے۔ پھر اس میں علقہ بنتا ہے اسی کے مثل، پھر اس میں مضغہ بنتا ہے اسی کے مثل پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس میں روح پھونکتا ہے اور چار باتیں اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے، رزق، مدت حیات، عمل اور شقاوت یا سعادت...... الخ

(۲) قال حذیفة بن اسید الغفاری سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: "اذا مرّ بالنطفة اثنتان واربعون لیلة، بعث اللہ الیھا ملکا فصوّرھا وخلق سمعھا وبصرھا وجلدھا ولحمھا وعظامھا ثم قال یارب اذکر او انثیٰ فیقضی ربك ماشاء ویکتب الملك ثم یخرج الملك بالصحیفة فی یدہ فلا یزید علی امر ولا ینقص"[۲۵]

حضرت حذیفہ بن اسید غفاری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے: "جب نطفہ پر بیالیس دن گزرتے ہیں تو اللہ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے جو اس کی صورت گری کرتا ہے اس کے کان، آنکھ، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے پھر کہتا ہے اے رب نر یا مادہ؟ اس وقت تمہارا رب جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور فرشتہ یہ لکھ لیتا ہے پھر نوشتہ تقدیر کو لے کر چلا جاتا ہے اور کوئی حذف و اضافہ نہیں کرتا

بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ پہلی حدیث میں ہے کہ چالیس دن نطفہ رہتا ہے اور اسی کے مثل (یعنی چالیس دن) علقہ اور اسی کے مثل مضغہ، گویا مضغہ بننے تک اور صورت گری ہونے تک ایک سو بیس[۱۲۰] دن لگتے ہیں۔ جبکہ دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیالیس دن گزرنے کے بعد جنین کی صورت گری کر دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر الزندانی نے جس انداز سے یہ تعارض دور کیا ہے اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

"پہلی حدیث کی تشریح اس طرح کی گئی ہے کہ ہر مرحلہ چالیس[۴۰] دن میں مکمل ہوتا ہے جبکہ دوسری حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ مختلف مخصوص اعضاء کی تخلیق کا مرحلہ بیالیس[۴۲] دن کے بعد شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل بیالیس[۴۲] دن کے اندر اندر مکمل ہو جاتے ہیں اور ہڈی بننے کا مرحلہ (جو سورۂ المومنون آیت ۱۴ کے مطابق مضغہ کے بعد آتا ہے) شروع ہو جاتا ہے۔ اگر پہلی حدیث کی مذکورہ تشریح صحیح ہو تو ہڈی بننے کا مرحلہ ایک سو بیس[۱۲۰] دن کے بعد شروع ہونا چاہیے۔

پہلی حدیث میں مثل ذالك کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اس کے دو مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس سے مدت کی تکرار مراد ہو اور دوسرے

یہ کہ تکمیل مرحلہ کی تکرار مقصود ہو۔ معلوم ہوا کہ یہاں اجمال اور ابہام پایا جاتا ہے۔ دوسری حدیث سے اس کی تبیین و توضیح ہو جاتی ہے کہ بیالیس دن کے بعد ہڈی بننے کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے (یعنی اس سے پہلے کے مراحل نطفہ علقہ اور مضغہ پایۂ تکمیل کو پہنچ چکے ہوتے ہیں) اور اصول حدیث یہ ہے کہ مجمل حدیث کو مبیّن حدیث کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ یہاں پہلی حدیث کا عموم دوسری حدیث سے ختم ہو جاتا ہے اور اس کا خاص اور متعین مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔[۵۳]

استدلال میں انھوں نے ساتویں صدی کے ایک عالم ابن الزملکانی کا حوالہ دیا ہے جنھوں نے یہی توجیہ کی ہے:

"قوله ' ثم يكون علقة مثل ذلك': اى ثم انه يكون فى الاربعين المذكورة علقة تامة الخلق..... ثم انه يكون مضغة فى حصتها أيضا من الاربعين محكمة الخلق مثلها ان صورة الانسان محكمة لبعد الاربعين يوما. فنصب 'مثل ذلك' على المصدر لا على الظرف، ونظيره فى الكلام قولك: ان الانسان يتغير فى الدنيا مدة عمره، ثم تشرح تغيره فتقول: ثم انه يكون رضيعا ثم فطيما ثم يافعا ثم شابا ثم كهلا ثم شيخا ثم هرما يتوفاه	ارشاد نبوی: 'ثم انه يكون علقة مثل ذلك الخ' کا مطلب یہ ہے کہ اسی چالیس دن کے اندر علقہ بن جاتا ہے۔ پھر اسی چالیس دن کے اندر اپنے حصے میں مضغہ بن جاتا ہے اور انسان کی صورت گری چالیس دن کے بعد ہوتی ہے۔ 'مثل ذالك' مصدر پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ ظرف پر معطوف ہونے کی وجہ سے۔ اس کی نظیر کلام میں یہ ہے کہ تم کہو: دنیا میں انسان ہر آن تغیر پذیر ہے، پھر اس تغیر کی تشریح کرتے ہوئے کہو کہ "پھر وہ شیر خوار ہوتا ہے پھر نو عمر ہوتا ہے پھر نوجوان ہوتا ہے پھر جوان، پھر ادھیڑ عمر پھر بوڑھا پھر کھوسٹ ہوتا ہے پھر انتقال کر جاتا ہے گویا یہ ان مراحل کی ترتیب

الله بعد ذالك، وذالك من تاً ترتیب الاخبار عن اطوارہ التي ینتقل فیها مدة بقائه في الدنیا۔[۵۴] کا بیان ہے جنھیں وہ دنیا میں اپنی مدت حیات میں طے کرتا ہے۔

یہی توجیہ اس موضوع پر لکھنے والے دوسرے مصنفین نے بھی کی ہے[۵۵]۔ ڈاکٹر شرف القضاۃ نے اپنے مقالہ "متی تنفخ الروح فی الجنین؟" (جنین میں روح کب پھونکی جاتی ہے؟) میں اس سلسلہ میں مروی بیشتر احادیث جمع کرکے ان کی تطبیق یا ترجیح سے متعلق مفسرین ومحدثین اور علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے اور اس سے یہی مذکورہ نتیجہ نکالا ہے۔ لکھتے ہیں:

"صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ پہلی حدیث کو دوسری حدیث پر محمول کیا جائے اس لیے کہ پہلی حدیث میں چار مہینے کی تصریح نہیں ہے اور نہ یہ تصریح ہے کہ نطفہ کا مرحلہ چالیس دن تک رہتا ہے۔ بلکہ حدیث کے الفاظ (ان احدکم یجمع خلقه فی بطن امه اربعین یوما) سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ سے لے کر مضغہ تک کی تخلیق چالیس دن میں ہو جاتی ہے۔ اسی لیے اس جملہ کے بعد کسی صحیح یا حسن روایت میں نطفہ کا لفظ نہیں آیا ہے۔[۵۶]

حدیث کے الفاظ (ثم یکون علقة مثل ذالك. ثم یکون مضغة مثل ذالك) سے بھی یہ صراحت نہیں ہوتی کہ مثل ذالك سے مراد مدت (یعنی چالیس دن) ہے بلکہ اس سے یہ مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ علقہ اور مضغہ جنین کے بے روح ہونے اور اس وقت تک تقدیر کے نہ لکھے جانے کے سلسلہ میں نطفہ کے مثل ہوتے ہیں۔ بعد کے جملہ (ثم یرسل الیه الملك فینفخ فیه الروح ویؤمر باربع کلمات) سے اس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ 'مثل ذالك' سے مراد وقت نہیں ہے اس کا اثبات مسلم کی روایت میں موجود اضافہ فی ذالك سے ہوتا ہے یعنی 'اسی مدت میں'، معلوم ہوا کہ مثل ذالك سے مراد مدت نہیں ہے۔ پہلی حدیث میں کئی احتمالات ہیں جبکہ دوسری حدیث صریح ہے اور کئی صحابہ سے مروی ہے۔ اصول حدیث کے مطابق جس حدیث میں احتمال ہو اسے صریح کی طرف پھیرا

جانا چاہیئے۔"[۵۷]

یہ تاویلات کچھ زیادہ قوی نہیں معلوم ہوتیں۔ ایسا لگتا ہے کہ اس سلسلہ میں تمام روایات پیش نظر نہیں رہی ہیں۔ اس لیے ہم یہاں اس ذیل کی تمام مرویات کو جمع کریں گے اور ان کی روشنی میں سائنسی تحقیقات کا مطالعہ کریں گے۔

۱۔ پہلی حدیث جو اوپر گزری بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور احمد میں الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے۔ بخاری کی ایک روایت میں ان احدکم یجمع خلقہ فی بطن امہ اربعین یوما نطفۃ (لفظ نطفہ کے اضافہ کے ساتھ) ہے[۵۸] جبکہ مسلم کی ایک روایت میں ثم یکون فی ذلک علقۃ مثل ذلک (فی ذلک کے اضافہ کے ساتھ) مذکور ہے۔[۵۹]

۲۔ دوسری حدیث جو پیچھے مذکور ہے صحیح مسلم کی ہے اور حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی ہے۔ اسی مضمون کی کچھ اور حدیثیں صحیح مسلم میں مروی ہیں جیسے:

- عن حذیفۃ بن اسید یبالغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: یدخل الملک علی النطفۃ بعد ما تستقر فی الرحم باربعین او خمسۃ واربعین لیلۃ فیقول یا رب أشقی أو سعید؟ فیکتبان فیقول ای رب اذکر او انثی فیکتبان ویکتب عملہ واثرہ واجلہ ورزقہ ثم تطوی الصحف فلا یزاد فیہا ولا ینقص"۔[۶۰]

یہ حدیث مسند احمد میں بھی مروی ہے۔ اس میں بعد ما تستقر فی الرحم باربعین کے بعد یہ ہے: وقال سفیان مرۃ او خمس واربعین لیلۃ[۶۱]

- عن حذیفۃ بن اسید قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باذنی ہاتین یقول: ان النطفۃ تقع فی الرحم اربعین لیلۃ ثم یتصور علیہا الملک قال زہیر حسبتہ قال الذی یخلقہا فیقول یا رب اذکر او انثی ..... الخ[۶۲]

- عن حذیفۃ بن اسید صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع الحدیث الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان ملکا موکلا بالرحم اذا اراد اللہ ان یخلق شیئا باذن اللہ لبضع واربعین لیلۃ الخ[۶۳]

۲۰۲

۳۔ اسی مفہوم کی ایک حدیث حضرت جابرؓ سے مروی ہے :

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا استقرت النطفة فی الرحم اربعین یوما او اربعین لیلة بعث اللہ الیھا ملکا.....الخ[۳۱]	(جب رحم میں نطفہ پر چالیس دن یا چالیس راتیں گزر جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتے کو بھیجتا ہے.....)

۴۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا:

"ان اللہ قد وکل بالرحم ملکا فیقول ای رب نطفة، ای رب علقة، ای رب مضغة، فاذا اراد اللہ ان یقضی خلقا قال قال الملك ای رب ذکرا وانثی اشقی اوسعید، فما الرزق فما الاجل فیکتب کذلك فی بطن أمه" [۳۲]	اللہ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کردیا ہے جو کہتا ہے اے رب یہ نطفہ ہے. اے رب یہ علقہ ہے اے رب یہ مضغہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو حکم دے دیتا ہے۔ فرشتہ کہتا ہے اے رب نر ہو یا مادہ؟ بدبخت ہو یا سعادت مند؟ رزق کیا ہو اور مدت حیات کیا ہو؟ اور جو کچھ اللہ فرماتا ہے وہی ماں کے پیٹ ہی میں تقدیر میں لکھ دیا جاتا ہے۔

ان حدیثوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے درج ذیل باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

۱۔ پہلی حدیث میں بخاری کی ایک روایت میں لفظ 'نطفہ' کا اضافہ ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ چالیسؒ دن کی مدت نطفہ، علقہ اور مضغہ تینوں مراحل کے لیے نہیں ہے بلکہ اس سے صرف نطفہ کی مدت معلوم ہوتی ہے۔

۲۔ پہلی حدیث میں مسلم کی روایت میں فی ذالك کا اضافہ ہے۔ لیکن اس سے مدت کی طرف اشارہ مقصود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد 'فی بطن أمه' ہے یعنی جنین ماں کے پیٹ ہی میں نطفہ سے علقہ اور مضغہ کے مراحل اختیار کرتا ہے اور ماں کے پیٹ ہی میں اس کی تقدیر لکھ دی جاتی ہے۔ اس کی تعیین حضرت انس سے مروی حدیث سے ہوتی ہے جس میں آنحضرتؐ نے آخر میں پھر تاکید کرتے ہوئے فرمایا: فیکتب کذلك فی بطن أمه

۳۔ حضرت حذیفہ بن اسیدؓ سے مروی احادیث 'مبیّن' نہیں ہیں، بلکہ ان میں اختصار معلوم ہوتا ہے ان میں صرف نطفہ کا تذکرہ ہے جبکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کی روایتوں میں تینوں مراحل (نطفہ، علقہ اور مضغہ) بیان ہوئے ہیں اور حضرت انس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا ہے جو جنین کی تبدیلیوں کے بارے میں نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ بنتے وقت اللہ تعالیٰ کو باخبر کرتا ہے[۶۶] اس لیے حضرت حذیفہ والی روایت کو حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس کی روایات کی روشنی میں سمجھنا چاہیے نہ کہ اس کے برعکس۔

۴۔ حضرت حذیفہ والی روایت میں مدت کے ذکر میں اختلاف ہے۔ ایک روایت میں مدت بیالیسؒ راتیں (ثنتان واربعون لیلۃ) بتلائی گئی ہے۔ دوسری روایت میں چالیسؒ یا پینتالیسؒ (شک راوی کے ساتھ[۶۷]) ہے۔ تیسری روایت میں بغیر شک کے چالیسؒ ہے۔ چوتھی روایت میں بضع واربعین (چالیس سے کچھ زائد) کہا گیا ہے۔ ایک جگہ راوی کو روایت کے الفاظ میں شبہ ہے[۶۸] اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں اختصار ہو گیا ہے اور راوی حدیث کے الفاظ نقل کرنے میں ضبط و احتیاط اور تعیین سے کام نہیں لے سکا ہے۔ چنانچہ اس نے نطفہ کا مرحلہ بیان کرنے کے بعد (علقہ اور مضغہ کے مراحل بیان کرنے کے بجائے) ان کے بعد کا مرحلہ کتابت تقدیر اور صورت گری بیان کر دیا ہے۔
معلوم ہوا کہ یہ حدیث اپنے مفہوم کے لحاظ سے واضح نہیں ہے بلکہ اس میں ابہام اور اجمال ہے۔ اس لیے اسے دوسری ان حدیثوں کی روشنی میں سمجھنا چاہیے جن میں تخلیق جنین کے تینوں مراحل بیان کیے گئے ہیں۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ نطفہ، علقہ اور مضغہ ہر ایک کی تشکیل میں چالیس دن لگتے ہیں۔ اس طرح جنین کل ایک سو بیسؒ[۶۹] دن میں مضغہ بن کر تیار ہوتا ہے۔

نطفہ، علقہ اور مضغہ تینوں کے سلسلہ میں ڈاکٹر زندانی وغیرہ کا خیال ہے کہ قرآن نے یہ الفاظ استعمال کر کے جنین کے ایک خاص مرحلہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور ان سے ان کی مخصوص ہیئت اور شکل بتلانی مقصود ہے۔ چنانچہ ان کے قول کے مطابق قطرہ سے مشابہت کی بنا پر شروع میں نطفہ کہا گیا۔ پھر بڑھتے بڑھتے ایک مدت گزر جانے کے بعد جب نطفہ کی شکل علقہ (جونک) کی سی ہو جاتی ہے تو اس موقع پر قرآن نے علقہ کا لفظ

استعمال کیا تاکہ اس سے اس کی مخصوص ہئیت کی طرف بھی اشارہ ہوجائے (دیکھئے خاکہ ۴) انھوں نے ۱۵-۲۲ دن (دو دن کم یا زیادہ) کی مدت کو علقہ قرار دیا ہے۔ اس کے بعد جنین پر ایسے نشانات ظاہر ہوتے ہیں جن سے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اسے دانتوں سے چبایا گیا ہو۔ اسی مناسبت سے اسے مضغہ کہا گیا (دیکھئے خاکہ نمبر ۵) اس کی مدت انھوں نے ۲۲-۴۰ دن (دو دن کم یا زیادہ) بتلائی ہے۔ ان کے نزدیک علقہ دو دن کے اندر اندر مضغہ میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ اس کی دلیل انھوں نے آیت فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً سے دی ہے اور 'ف' کو تعقیب کے معنی میں لیا ہے (اس پر بحث آگے آئے گی) اس طرح تمام مراحل بیالیس دن سے قبل ہی پایۂ تکمیل کو پہنچ جاتے ہیں[۷۹]

ہمارے نزدیک قرآن نے تخلیقی مراحل کے لیے جو یہ الفاظ استعمال کیے ہیں ان سے ان کی مخصوص ہئیت اور شکل کے ساتھ ساتھ ان کی جسامت کی طرف بھی اشارہ مقصود ہے۔ ابتدا میں قطرہ سے ہئیت اور جسامت میں مشابہ ہونے کی وجہ سے اسے نطفہ کا نام دیا گیا۔ یہ مشابہت چالیس دن تک رہتی ہے اس لیے کہ چالیسویں دن کا نطفہ صرف ایک سینٹی میٹر لمبا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اسے علقہ قرار دیا گیا اس لیے کہ وہ جمی ہوئی چیز سے مشابہ ہوجاتا ہے یہاں تک کہ اسّی دن کے بعد اس کی جسامت اتنی بڑی ہوجاتی ہے کہ وہ ایک چھوٹے سے ٹکڑے کے مانند معلوم ہوتا ہے اس وقت اسے مضغہ قرار دیا گیا۔ اس لیے کہ عربی زبان میں مضغہ کا اطلاق اس چیز پر ہوتا ہے جس کی جسامت اتنی یا اس سے قریب قریب ہو کہ اسے منہ میں رکھا جاسکے۔

حروف عطف کے اختلاف کی حکمت

قرآن کریم کی دو سورتوں میں تمام مراحل تخلیق کو ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے انداز بیان میں فرق ہے۔ سورۂ حج میں ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ۔ (آیت: ۵)

اور سورۂ المومنون میں ہے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ
قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ق (آیت ۱۲-۱۴)

پہلی آیت میں تمام مراحل پر 'ثم' کے ذریعہ عطف لایا گیا ہے جبکہ دوسری آیت میں ایک جگہ 'ثم' اور بقیہ جگہوں پر 'ف' مذکور ہے۔ کیا 'ثم' اور 'ف'، کے استعمال میں فرق کرکے قرآن کسی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہے؟ علمائے نحو نے عموماً سورۂ مومنون کی آیات میں 'ف'، کو 'ثم' کے معنی میں لیا ہے۔ عربی ڈکشنری اقرب الموارد میں ہے:

"وتكون (الفاء) بمعنى ثم نحو فخلقنا العلقة مضغة"[ثه]

'ف' ثم کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے آیت فخلقنا العلقة مضغة میں 'ف' ثم کے معنی میں ہے۔

ابن ہشام نے لکھا ہے:

"وقيل تقع الفاء بمعنى ثم ومنه الآية: "ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً، فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا" فالفاءات في 'فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً' وفي 'فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ' وفي 'فَكَسَوْنَا' بمعنى 'ثم' لتراخي معطوفاتها"[اکه]

کہا گیا ہے کہ 'ف' ثم کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے آیت ثم خلقنا النطفة علقة...... الخ میں۔ اس آیت میں 'ف' ثم کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ اس کے معطوفات میں تراخی کا معنی پایا جاتا ہے۔

علامہ آلوسی نے اس اختلاف کی ایک دوسری حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے لکھتے ہیں:

"جاءت المعطوفات الاولى بعضها بثم وبعضها بالفاء، ولم يجئ جميعها بثم او بالفاء مع صحة ذلك في مثلها، للاشارة الى تفاوت الاستحالات فالمعطوف بثم مستبعد حصوله مما قبله"[که]

ان آیات میں معطوفات کو استعمال کرنے میں یکسانیت نہیں برتی گئی بلکہ بعض جگہ ثم کا استعمال کیا گیا حالانکہ ان دونوں میں سے ایک کا استعمال دوسرے کی جگہ صحیح ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ تغیرات کے فرق کی طرف اشارہ کیا گیا۔ لہٰذا 'ثم' کو اس معطوف پر استعمال کیا گیا جس کا حصول اپنے پہلے مرتبہ سے کچھ بعید ہے۔

۲۰۶

ہمارا خیال ہے کہ یہاں یہ فرض کرنے کی ضرورت نہیں کہ عربی زبان میں 'ف' 'ثم' کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اس لیے آیت میں 'ف' 'ثم' کے معنی میں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو وہاں 'ثم' بھی لایا جا سکتا تھا پھر کیوں قرآن نے 'ثم' چھوڑ کر 'ف' استعمال کیا؟ اسی طرح یہ کہنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ 'ثم' کا استعمال صرف اس معطوف پر کیا گیا ہے جس کا حصول اس سے پہلے کے مرحلے سے بعید ہے اس لیے کہ دوسری آیت میں اسی مرحلے کے لیے 'ف' کا استعمال کیا گیا ہے۔

عربی زبان میں 'ف' عموماً تعقیب کے لیے اور 'ثم' تراخی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن نے بعض جگہ 'ف' اور بعض جگہ 'ثم' لا کر اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر مرحلہ کے لیے ایک مدت درکار ہوتی ہے۔ ایک مرحلہ شروع ہونے کے بعد سے دوسرا مرحلہ شروع ہونے تک کچھ وقت لگتا ہے۔ لیکن چونکہ جنین میں ہمہ آن تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس لیے ایک مرحلہ ختم ہونے اور دوسرا مرحلہ شروع ہونے میں کچھ دیر نہیں لگتی اسی لیے قرآن نے مقدم الذکر چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لیے 'ثم' اور موخر الذکر کی طرف اشارہ کرنے کے لیے 'ف' استعمال کیا۔

۴۔ عظام

تخلیق کا چوتھا مرحلہ 'عظام' ہے جس کی ابتدا تکمیل مضغہ کے بعد ہوتی ہے۔

ارشاد باری ہے:

فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا (المومنون:۱۴) پھر مضغہ کی ہڈیاں بنائیں۔

ڈاکٹر زندانی کا خیال ہے کہ اس کی ابتدا بیالیس[۴۲] دن کے بعد ہی ہو جاتی ہے حضرت حذیفہ بن اسیدؓ والی حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نطفہ، علقہ اور مضغہ کے مراحل بیالیس[۴۲] دن تک مکمل ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد ہڈی بننے کا مرحلہ شروع ہوتا ہے اگر پہلی حدیث (جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے) کی تشریح جو عموماً کی جاتی ہے صحیح ہو تو ہڈی بننے کا مرحلہ ایک سو بیس[۱۲۰] دن کے بعد شروع ہونا چاہیے"[۳۶]

آگے لکھتے ہیں:

> "ساتواں ہفتہ شروع ہوتے ہی جنین میں ایک ہیکل بن جاتا ہے جس کا بیشتر

حصہ غضروفی (CARTILAGINOUS) ہوتا ہے اور جو جنین کے جسم کو ایک مخصوص شکل اور ممتاز انسانی خصوصیات عطا کرتا ہے"۔

ڈاکٹر زندانی کا مؤخر الذکر بیان صحیح ہے لیکن مقدم الذکر نتیجہ صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جو خلیات غضروف بناتے ہیں (جنھیں (CHONDROCYTES) کہتے ہیں) وہ ان خلیات سے مختلف ہوتے ہیں جن سے ہڈیاں بنتی ہیں۔ ہڈیاں بنانے والے خلیات کو (OSTEOBLAST) کہتے ہیں۔ اس لیے غضروف کی نشوونما کے مرحلہ کو ہی مرحلۂ عظام قرار دینا صحیح نہیں۔ خود ڈاکٹر مور نے لکھا ہے کہ "تعظم (OSSIFICATION) آٹھویں ہفتے کے بعد شروع ہوتا ہے"۔ اور بارہویں ہفتے کے جنین میں آہستہ آہستہ تعظم ہوتا رہتا ہے یہاں تک اس کے ایک ماہ بعد (یعنی استقرار سے ۱۲۴ دن کے بعد ہڈیاں ایسی شکل اختیار کرلیتی ہیں جن پر عظام کا اطلاق ہو سکے ڈاکٹر مور کا یہ بیان حضرت ابن مسعودؓ کی ۱۲۰ دن والی حدیث کے اثبات میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔

۵۔ لحم

تشکیلِ جنین کا آخری مرحلہ 'لحم' کا ہے۔ قرآن نے اس مرحلہ کے لیے بڑی خوبصورت تعبیر استعمال کی ہے:

ثم کسونا العظم لحما (المؤمنون: ۱۴) پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔

نسیجیات کے اعتبار سے عضلات تین قسم کے ہوتے ہیں عضلات ارادیہ (VOLUNTARY MUSCLES) عضلات غیر ارادیہ (INVOLUNTARY MUSCLES) اور عضلات قلبیہ (CARDIAC MUSCLES) الیاف عضلی نسیج واصلی کے خلیات کی تبدیل شدہ شکل ہوتی ہے۔ عضلات کے خلیات کو MYOBLAST کہتے ہیں ان سے MYOFIBRIL بنتے ہیں اور بہت سے MYOFIBRIL مل کر ایک عضلہ MUSCLE بناتے ہیں اور ہڈیوں پر ان کا اتصال (ATTACHMENT) (یعنی ابتداء وانتہاء) ہوتا ہے۔ اس طرح پورے ہیکل عظمی پر عضلات کا استر ہو جاتا ہے جن سے اعضاء کی حرکات کا کنٹرول ہوتا ہے۔

خلاصہ بحث

قرآن کریم نے تخلیق انسانی کے جن مراحل کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے ذریعے جن حقائق کی طرف اشارہ کیا ہے۔ جدید سائنس نے ان پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ سائنس داں

حیران ہیں کہ کس قدر نظم وضبط، دقت و باریکی اور حیرت انگیز طریقے پر انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ یہ چیز انسانوں کو سوچنے پر آمادہ کرتی ہے کہ یہ پوری کائنات —— جس کا، انسان ایک حقیر جزو ہے —— خود بخود اور بے فائدہ وجود میں نہیں آگئی ہے بلکہ ایک ہستی نے بامقصد طریقے پر ان کو پیدا کیا ہے اور اس کی ذات بڑی بابرکت ہے۔ اسی لیے قرآن نے فطرت انسانی کی ترجمانی کرتے ہوئے سورہ مومنون میں مراحل تخلیق ذکر کرنے کے معًا بعد فرمایا ہے:

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ○ — پس بڑا بابرکت ہے اللہ تمام کاریگروں سے بڑھ کر کاریگر۔ (المومنون: ۱۴)

حواشی

سلہ سورۂ بقرہ کی آیت ۱۶۴ ہے: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ○ (جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لیے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں، ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لیے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعے سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے اور زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے۔ ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابعِ فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔)

سلہ۲ ماضی قریب میں بعض سائنس دانوں اور علم الجنین سے دلچسپی رکھنے والوں نے ایسی قرآنی معلومات کی طرف خصوصی توجہ کی ہے اور سائنس کی روشنی میں ان کی صداقت اور اعجاز کو آشکارا کیا ہے۔ مثال کے طور پر ڈاکٹر موریس بوکائے نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "بائبل قرآن اور سائنس" میں سائنس اور قرآن کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ قرآن نے تخلیق انسانی سے متعلق آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جو کچھ اشارے کیے ہیں جدید سائنس نے حرف بحرف ان کی تصدیق کی ہے۔ ڈاکٹر کیتھ ایل مور پروفیسر اناٹمی ٹورنٹو یونیورسٹی نے تخلیق انسانی پر ایک کتاب تصنیف کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر عبدالمجید زندانی کے

اشتراک سے مضمون کی مناسبت سے جا بجا قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور مفسرین کے اقوال کا اضافہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نیا اسلامی ایڈیشن تیار کرنے میں ان دونوں کے علاوہ بہت سی سعودی اور بیرونی یونیورسٹیوں کے دینی اور عصری علوم کے ماہرین نے بھرپور حصہ لیا ہے۔ ۱۹۸۳ء میں اس کا تیسرا ایڈیشن دارالقبلہ مکہ مکرمہ سے شائع ہوا ہے۔ اس کتاب میں بھی سائنسی حقائق کے ذریعہ تخلیق انسانی کے سلسلہ میں قرآنی اعجاز کو آشکارا کیا گیا ہے۔ اس موضوع پر اس کے علاوہ دوسری متعدد کتابیں بھی شائع ہو چکی ہیں۔ مثلاً دیکھئے محمد علی البار کی THE CREATION OF MAN BETWEEN MEDICINE & THE QURAN الدار السعودیہ جدہ اور ڈاکٹر عبدالحمید دیاب اور ڈاکٹر احمد قرقوز کی مع الطب فی القرآن الکریم موسستہ علوم القرآن۔ دمشق۔

3. THE DEVELOPING HUMAN BY KEITH L. MOORE WITH ISLAMIC EDITIONS BY SHEIKH ABDUL MAJEED A. AZZINDANI DAR-AL-QIBLA JEDDAH THIRD EDITION PAGE 12 D

۴ ایسی اور بہت سی آیتیں ہیں جن میں صرف پہلے مرحلۂ تخلیق (نطفہ) کا بیان ہے جیسے دیکھئے:
المرسلات: ۲۰-۲۲، الطارق: ۵-۶، النجم: ۴۵-۴۶، الدھر-۲، فاطر-۱۱

۵ دیکھئے: النحل-۴، الکہف: ۳۷، الحج-۵، المومنون ۱۳، ۱۴، فاطر ۱۱، یٰس ۷۷، مومن ۶۷، النجم ۴۶، القیامہ ۳۷، الدہر-۳، عبس ۱۹، موریس بوکائی نے گیارہ مرتبہ ہونے کا تذکرہ کیا ہے (بائبل قرآن اور سائنس اردو ترجمہ تاج کمپنی دہلی ص۳۲۵) لیکن صحیح وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا۔

۶ لسان العرب ابن منظور دار صادر بیروت ۹/۳۳۵ ۷ ایضاً

۸ صحیح مسلم کتاب اللقطہ باب استحباب خلط الازواد، اذا قلت

۹ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ۔ باب فضل الوضو

۱۰ مسند احمد ۶/۲۱۹ ۱۱ لسان العرب ۹/۳۳۵

۱۲ المفردات فی غریب القرآن، راغب الاصفہانی دار المعرفہ بیروت ص۴۹۶

13. THE BIBLE, THE QURAN & SCIENCE BY MAURICE BUCAILLE TRIPULI PAGE 200

۱۴ کچھ جدید لغات میں نطفہ کے یہی معنی ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر مشہور عربی لغت المنجد فی اللغۃ والاعلام اور عربی اردو لغت مصباح اللغات (مصنف ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی)

میں ہے۔ ماء الرجل او المرأۃ (مرد یا عورت کا نطفہ)

۱۵ مسند احمد ۱/ ۴۶۵ ۱۶ ایضاً ۶/ ۳۰۹

۱۷ مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں:

"اَلَمْ یَکُ نُطْفَۃً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰی" (القیامہ۔ ۳۷) کیا وہ ایک حقیر پانی کا نطفہ نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا جاتا ہے)

۱۸ بعض لوگوں نے اسے جمع قرار دیا ہے۔ اس صورت میں وہ کہتے ہیں کہ نطفہ (واحد) کی صفت امشاج (جمع) اس لیے لائی گئی ہے کیونکہ اس سے مراد ماء الرجل اور ماء المرأۃ کا مجموعہ ہے۔ یا اس اعتبار سے کہ کسی ایک کے نطفہ میں بھی رقت وغلظت، زردی وسفیدی، قوت وضعف کے لحاظ سے مختلف اجزاء ہوتے ہیں..... جن لوگوں نے مفرد قرار دیا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ 'اَفْعَال' کے وزن پر ہے جو واحد ہے جیسے 'اَعْشَار'، 'اَکْیَاش' نحویوں کے نزدیک اس کی جمع نہیں آتی۔ تفصیل کے لیے دیکھئے روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی ادارۃ الطباعۃ المصطفائیہ۔ دیوبند ص۱۵۲

۱۹ تفسیر ابن کثیر مکتبہ الریاض ۱۹۸۰ء۔ ۴/ ۴۵۴ ۲۰ ایضاً

۲۱ تفسیر غریب القرآن ابو محمد عبداللہ بن مسلم ابن قتیبہ دار الکتاب العلمیہ بیروت ۱۹۷۸ء

۲۲ ایضاً ۲۳ الکشاف۔ الزمخشری۔ دار الکتاب العربی بیروت ص۶۶۶

۲۴ مشہور سائنس داں 'ہاروے' (۱۶۵۱ء) کا خیال تھا کہ جملہ حیات ابتداءً بیضہ سے ظہور پاتی ہے، عظیم ماہر حیوانات لفون بھی اسی نظریے کا حامی تھا (بائبل قرآن اور سائنس (اردو ترجمہ) تاج کمپنی ۱۹۸۳ء ص۳۳۳

۲۵ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ ٹھیک یہی بات صدیوں پہلے مسلم علماء نے بھی کہی تھی۔ ابن حجر نے ابن قیم کا حوالہ دیتے ہوئے شرح بخاری میں لکھا ہے: قالوا ان المنی اذا اشتمل علیہ الرحم ولم یقذفہ استدار علی نفسہ واشتد الی تمام ستۃ ایام (جب منی رحم میں چلی جاتی ہے اور اس کا استقرار ہو جاتا ہے تو چھ دن تک اس کا رحم سے اتصال نہیں ہوتا) فتح الباری المطبعۃ الخیریہ ۱۳۲۵ھ طبع اول ۱۱/ ۳۸۷

۲۶ بعض تفسیروں میں اس سے مراد ماء الرجل والمرأۃ لیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے: وأراد سبحانہ ماء الرجل والمرأۃ لان الانسان مخلوق منہما ولکن جعلہما ماءً واحداً لامتزاجہما۔ (ماء دافق سے مراد ماء الرجل والمرأۃ ہے اس لیے کہ انسان کی تخلیق دونوں کے ملنے سے ہوتی ہے۔ لفظ ماء کو واحد اس لیے استعمال کیا گیا کیونکہ یہاں مراد دونوں کے مخلوط سے ہے (فتح القدیر الجامع بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر محمد بن علی بن محمد الشوکانی دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع ۵/ ۴۱۹)

27. THE DEVELOPING HUMAN PAGE 12 F

۲۸ دیکھئے الحج - ۵ ، مومن - ۶۷، القیامۃ - ۳۷ ، المومنون ۱۴ (دوبار)

۲۹ لسان العرب ۱۰/۲۶۷ ۳۰ ایضاً ۳۱ ایضاً

۳۲ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسرار برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، مسند احمد ۳/۱۲۱، ۱۲۹، ۲۸۸

۳۳ مسند احمد ۴/۱۸۴، ۵/۱۳۵ سنن الدارمی مقدمہ

۳۴ لسان العرب ۱۰/۲۶۷ ۳۵ ایضاً ۳۶ المفردات فی غریب القرآن الاصفہانی ص۳۴۳

۳۷ تحفۃ الاریب بما فی القرآن من الغریب ابوحیان اندلسی بمطبعۃ الاخلاص بحماہ ۱۹۲۶ء ص۸۷

۳۸ غریب القرآن المسمی بنزہۃ القلوب بمطبعۃ الرحمانیہ مصر طبع اول ۱۳۴۲ھ ص۱۷۹

۳۹ بائبل قرآن اور سائنس مورلیس بوکائی (اردو ترجمہ) ص۳۲۹

40. THE DEVELOPING HUMAN PAGE 12 F 41. IBID PAGE 12 F

۴۲ بائبل قرآن اور سائنس (اردو ترجمہ) ص۳۲۹

۴۳ دیکھئے الحج - ۵ ، المومنون - ۱۴ (دوبار) ۴۴ لسان العرب ۸/ ۴۵۱

۴۵ بخاری کتاب الایمان باب فضل من استبرأ لدینہ - یہ حدیث صحیح مسلم ، سنن ابن ماجہ ، سنن دارمی اور احمد میں بھی مروی ہے - ۴۶ مفردات ، اصفہانی ص۴۶۹

۴۷ تحفۃ الاریب ابوحیان اندلسی ص ۴۸ غریب القرآن سجستانی ص۲۴۰

۴۹ تفسیر کبیر المطبعۃ العامرۃ اشرفیہ ۱۳۰۸ھ طبع اول ص۱۶۶

۵۰ روح المعانی علامہ آلوسی - ۱۷/۱۰۶

۵۱ مسلم ، کتاب القدر ، بخاری کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ ، کتاب الانبیاء باب خلق آدم وذریتہ ، کتاب القدر ، کتاب الرد علی الجہمیۃ والتوحید باب قولہ تعالیٰ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین ، ابوداؤد کتاب السنۃ باب فی القدر ، ترمذی ابواب القدر باب ما جاء انما الاعمال بالخواتیم ، ابن الماجہ باب فی القدر - مسند احمد ۱/ ۳۸۲ ، ۴/۴۱۴ ، ۴۳۰ ، صحیح مسلم کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں "فی ذالک" کے الفاظ نہیں ہیں -

۵۲ صحیح مسلم کتاب القدر

53. THE DEVELOPING HUMAN PAGE 84 A 54. IBID PAGE 84 B

۵۵ مثال کے طور پر دیکھئے درج ذیل کتاب میں متعلقہ بحث :

HUMAN DEVELOPMENT AS REVEALED IN THE HOLY QURAN & HADITH (THE CREATION OF MAN BETWEEN MEDICINE & THE QURAN) BY DR. MOHAMMAD ALI ALBAR, SAUDI PUBLISHING & DISTRIBUTING HOUSE JEDDAH FIRST EDITION 1986

۵۶ موصوف کا یہ کہنا صحیح نہیں اس لیے کہ بخاری کی ایک روایت میں 'نطفہ' کا اضافہ ہے۔ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ جیسا کہ ہم آگے ذکر کریں گے۔ ۵۷ مجلہ دراسات العلوم الانسانیۃ عمان مجلد ۱۳ شمارہ ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ دسمبر ۱۹۸۶ء میں مضمون متی تنفخ الروح فی الجنین ؟ از ڈاکٹر شرف القضاۃ ص ۵۸-۵۹

۵۸ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ ۵۹ مسلم کتاب القدر باب کیفیۃ خلق الآدمی فی بطن امہ ۶۰ ایضاً ۶۱ مسند احمد ۴/۷ ۶۲ مسلم کتاب القدر ۶۳ مسلم کتاب القدر ۶۴ مسند احمد ۳/۹۷

۶۵ مسلم کتاب القدر، بخاری کتاب الانبیاء باب خلق آدم و ذریتہ، کتاب الحیض باب قول اللہ عزوجل مخلقۃ وغیر مخلقۃ، کتاب القدر، مسند احمد ۳/ ۱۱۶، ۱۴۸۔ اس موضوع کی دوسری متعدد احادیث مختلف صحابہ سے مروی ہیں۔ لیکن ان میں کچھ ضعف ہے تفصیل کے لیے دیکھئے فتح الباری شرح صحیح بخاری۔ ابن حجر عسقلانی المطبعۃ الخیریۃ طبع اول ۱۳۲۵ھ کتاب القدر ۱۱/۳۸۵۔

۶۶ ڈاکٹر شرف القضاۃ نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتہ صرف ایک بار مرتبہ آتا ہے اور بیک وقت صورت گری، کتابت تقدیر اور نفخ روح کرتا ہے (دیکھئے مقالہ ص ۵۶) لیکن ان کا یہ خیال صحیح نہیں۔ حضرت انسؓ سے مروی حدیث میں صراحت ہے کہ فرشتہ نطفہ، علقہ اور مضغہ تینوں کے تغیرات سے اللہ تعالیٰ کو خبر کرتا ہے اور یہ بیک وقت نہیں ہو سکتا۔ حیرت ہے کہ موصوف نے اپنے مقالہ میں اس روایت کا تذکرہ تک نہیں کیا ہے۔

۶۷ جیسا کہ مسند احمد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے اس میں ہے..... باربعین وقال سفیان مرۃ او خمس واربعین ۴/۷

۶۸ روایت میں ہے۔ ان النطفۃ تقع فی الرحم اربعین لیلۃ ثم یتصور علیہا الملک قال زھیر حسبتہ قال الذی یخلقھا۔

69. THE DEVELOPING HUMAN PAGE 80

۷۰ اقرب الموارد جلد دوم باب الفاء ص ۸۹۷ تالیف سعید الخوری، مطبعۃ مرسلی الیسوعیہ بیروت ۱۸۸۹ء

۷۱ مغنی اللبیب عن کتب الاعاریب۔ ابن ہشام دار الکتاب العربی بیروت اول ص ۱۶۲

۷۲ روح المعانی علامہ آلوسی ادارۃ المطباعۃ المصطفائیہ دیوبند ۱۸/۱۴

73. THE DEVELOPING HUMAN PAGE 84 A 74. IBID PAGE 86 C